بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

뎘

مرا ہر خواب سچا تھا

뎴

دو گھڑی سانس تو لینے دے مجھے اے غمِ دہر
کوئی ہر آن مشقّت تو نہیں کر سکتا

مرا ہر خواب سچا تھا

ناول

کاشف رفیق

خزینۂ علم وادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور۔فون:042-37314169

دیدہ زیب اور

خوبصورت کتب کا

واحد مرکز

تزئین و اہتمام:

نذیر محمد، طاہر نذیر

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اشاعت: نومبر 2014ء

سرورق و کمپوزنگ: عمران شناور

قیمت: 200 روپے

بیرون ملک: 10 ڈالر، 5 پاؤنڈ

20 سعودی ریال

뎘

انتساب

اپنے پیارے بیٹے

مطہر کاشف

کے نام

تعارف

نام: کاشف رفیق

ولدیت: ڈاکٹر محمد رفیق (ریٹائرڈ سیکرٹری حکومت)

تاریخ پیدائش: ۲۹ ستمبر ۱۹۷۹ء

جائے پیدائش: عباس پور آزاد کشمیر

تعلیم: ایم۔بی۔بی۔ایس (ایوب میڈیکل کالج ایبٹ آباد)

پیشہ: طب

منصب: سینیئر میڈیکل آفیسر محکمہ صحت آزاد کشمیر

شعری مجموعے: ا۔اُداس رات کا چاند (۲۰۰۲ء)

۲۔کبھی آباد تھا یہاں اک شہر (۲۰۰۶ء)

۳۔مرا ہر خواب سچّا تھا (۲۰۱۴ء)

سکونت: نیو یارک (امریکہ)

ای میل ایڈریس: kashif_apr@yahoo.com

ڈاکٹر

''مرا ہر خواب سچّا تھا''

''مرا ہر خواب سچّا تھا'' آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے ہونہار اور سلیقہ مند شاعر ڈاکٹر کاشف رفیق کا تیسرا شعری مجموعہ ہے جس میں غزلیں بھی ہیں اور نظمیں بھی۔ جہاں تک غزل کا تعلق ہے، کاشف رفیق غزل کی کلاسیکی روایت کو عزیز تو رکھتے ہیں مگر مکمل طور پر اس کے حصار میں نہیں بلکہ مضمون میں مقصدیت اور اسلوب میں جدت طرازی کو شامل کر کے اس کے فروغ اور تزئین و آرائش میں مصروف ہیں۔ ان کی شاعری سے یہ حقیقت واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ وہ اپنی غزل کو لب و رخسار اور ہجر و وصال تک محدود رکھنا نہیں چاہتے۔ بلکہ زندگی کے مسائل، لوگوں کے غم و آلام، معاشی عدم استحکام اور اپنے اور افراد کے حالات و واقعات کی بے لاگ اور حقیقت پسندانہ پیش کش پر یقین رکھتے ہیں اور اس بات کا خصوصی اہتمام کرتے ہیں کہ ان کی غزل شعری لطافت اور فنی مہارت سے بے نیاز نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کاشف رفیق کی غزل جیتی جاگتی زندگی کی قابلِ توجہ تصویر کشی ہے۔ ایک اور خوبی اُن کی غزل کی یہ ہے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بے معنی ملمع کاری اور استعارات و علائم کے پیچھے بھاگنے میں صرف نہیں کرتے۔ وہ لوگوں کے دکھوں اور محرومیوں کو اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور پھر ان میں اپنے شفاف اور کھرے جذبات و احساسات شامل کر کے معاشرے کو لوٹا دیتے ہیں۔ اس شعری مجموعہ میں نظمیں جو کہ پابند بھی ہیں، معریٰ بھی اور

آزاد بھی وہ بھی کاشف رفیق کے باطن کی خوبصورتی اور شفافیت کی آئینہ دار ہیں۔ وہ نظم گوئی کے ہنر اور فلسفہ سے آگاہ ہیں۔ گو کہ یہ نظمیں طویل نہیں لیکن اپنے اندر خیال کی وسعت اور احساس کی شدّت رکھتی ہیں۔ ان کی اِن نظموں میں موضوع کے ساتھ انصاف ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ ’تاریخِ جموں و کشمیر کے تناظر میں‘ ’مرا ہر خواب سچّا تھا‘ ’اینزائٹی‘ ’تم کو دیکھا تو‘ اور ’دشتِ عمر‘ خوبصورت اور لائقِ توصیف نظمیں ہیں۔ اپنی نظموں اور غزلوں میں وہ ایک بھرپور تاثر دینے میں کامیاب ہیں۔ اطمینان بخش بات یہ ہے کہ کاشف رفیق کا یہ سفرِ سعیٔ رائگاں نہیں۔

چند منتخب اشعار دیکھیں:

میری سماعتوں پہ لگے ہیں وہ قفل اب
آواز اپنے دل کی بھی سنتا نہیں ہوں میں

دو گھڑی سانس تو لینے دے مجھے اے غمِ دہر!
کوئی ہر آن مشقت تو نہیں کر سکتا

صحنِ دل میں جو لگائے تھے تمنا کے شجر
ایسا لگتا ہے وہ اِمسال بھی پھلنے کے نہیں

کب تک نہ ہم کریں گے بغاوت کا حوصلہ
کب تک ستم زمانے کے سہتے رہیں گے ہم

سُن کر مرا سوال اُسے چپ سی لگ گئی
مجھ کو ہی سوچنا پڑا اُس کا جواب بھی

طبیب کہتے ہیں جز وہم خواب کچھ بھی نہیں
تو کیا جو ہم نے سہے وہ عذاب کچھ بھی نہیں

سرور ارمان

وادیٔ کشمیر کا تخلیق کار۔۔۔کاشف رفیق

کاشف رفیق کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ مزاجاً بھی شاعر ہے۔ وہ بہت کم گو اور صاحبِ ظرف ہے۔ محبت پیشہ یہ شخص ایک طرف انسانیت کی خدمت کر رہا ہے کہ ڈاکٹر کی یہ کمٹمنٹ ہے اور دوسری طرف اس نے وہ خواب پال رکھے ہیں جن کی تعبیریں بھی خوابوں کے سوا کچھ نہیں مگر کیا کریں اس کو اس کیفیت میں رہنے کا سودا ہے۔ وہ شہرت و ہرت کے پیچھے ہرگز نہیں بھاگا بس اپنے جذبات، محسوسات اور تجربات کو بے ساختہ انداز میں سخن کے قالب میں ڈھالتا جاتا ہے۔ اس کے ہاں فکر اور انسان دوستی ملتی ہے۔ اس کا دوسرا شعری مجموعہ ۲۰۰۵ء کے زلزلہ سے متعلق تھا ''کبھی آباد تھا یہاں اک شہر'' میں اس نے اپنا فرسٹ ہینڈ مشاہدہ پیش کیا کہ وہ اس بربادی کا حصہ تھا۔

اس کا حافظہ اتنا اچھا ہے کہ اسے مجھ سے زیادہ میری غزلیں یاد ہیں۔ میری ہی نہیں بہت لوگوں کی جس سے اس کی وسعتِ مطالعہ کا پتہ چلتا ہے۔ بقول ٹی ایس ایلیٹ شاعر کو کئی ہزار اشعار یاد ہونے چاہئیں۔ میرا خیال ہے کہ اپنی بات کو طول دینے کی بجائے اس کے زیرِ نظر شعری مجموعے ''مرا ہر خواب سچّا تھا'' میں سے آپ کو پڑھاؤں تا کہ آپ اندازہ کر سکیں کہ وہ کس طرح، طرح دار شعر کہتا ہے:

روح پر بار نہیں تھے پہلے
خواب آزار نہیں تھے پہلے

اک دیا تھا تری محبت کا
جلتے بجھتے جو بجھ گیا آخر

دل میں کوئی ملال رہے گا تمام عمر
اُس کا ہمیں خیال رہے گا تمام عمر

پھر جیسے خود ہی درد کو آرام آ گیا
جب ہم نے زخم بھرنے کی اُمید چھوڑ دی

تجھ سے بڑھ کر زندگی میں، مَیں نے کچھ کھویا نہ تھا
یعنی اس سے پیشتر میں ٹوٹ کر رویا نہ تھا

مرضی سے کب ہوا کوئی عشقِ بتاں میں مبتلا
کون یہ روگ پالتا ہوتا جو اختیار میں

طبیب کہتے ہیں جز وہم خواب کچھ بھی نہیں
تو کیا جو ہم نے سہے وہ عذاب کچھ بھی نہیں

دو گھڑی سانس تو لینے دے مجھے اے غمِ دہر!
کوئی ہر آن مشقت تو نہیں کر سکتا

اب آپ ہی بتایئے کہ میں ان آٹھ اشعار کا مزہ لوں یا تنقید کر کے ان کے حسن کو پامال کروں۔ میں تو تاثرات ہی بیان کر سکتا ہوں کہ وہ زندگی کو اپنے ہی زاویۂ نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسے خیال کو تخلیق بنانے میں کوئی زور آزمائی نہیں کرنا پڑتی۔ یہ ضرور ہے کہ وہ کم گو شاعری میں بھی ہے کہ وہ اپنے احساس اور مشاہدے کو جذبوں کی ہلکی آنچ پر پکنے دیتا ہے۔

وہ کشمیر کی وادیوں میں رہنے والا ہے۔ اُس نے مظفر آباد کو اپنی آنکھوں سے اُجڑتا اور بارِ دگر بستا ہوا دیکھا۔ اپنے معاشرے اور اقدار کی شکست و ریخت نے اسے شعور دیا ہے وگرنہ وہ کبھی نہ کہہ سکتا:

روح پر بار نہیں تھے پہلے
خواب آزار نہیں تھے پہلے

یہ قوم بھی خواب دیکھ دیکھ کر اُکتا گئی ہے۔ ایک خواب اقبال نے دیکھا تھا جس کی تعبیر قائد نے ہمارے سپرد کی۔ اس کے بعد تو صرف بے تعبیر خواب ہی رہ گئے۔ ہر رہنما رہزن ہی ثابت ہوا۔ جب حکمران رہزن ٹھہرے تو پھر کوئی بھتہ خور بن گیا' کوئی ٹارگٹ کلر اور کوئی اغوا برائے تاوان میں مصروف ہو گیا۔ جنت کے اس ٹکڑے کو جہنم بنا دیا گیا۔ لوگ انصاف مانگنے نکلے تو انصاف کا خون کر دیا گیا۔ یہ سارا منظر نامہ کاشف رفیق کے سامنے ہے اور اس سے اظہار کا متقاضی ہے۔ کاشف ایک مقام پر پہنچا تو ہے کہ جہاں وہ سوچتا ہے:

تمام عمر کیا میں نے کارِ لاحاصل
کہ مدحِ حسنِ بتاں کا ثواب کچھ بھی نہیں

شاعر کی زندگی میں یہ لمحہ بہت قیمتی ہوتا ہے کہ جہاں اسے محبت کے سوا کچھ اور بھی نظر آنے لگتا ہے۔ وہی جو فیض نے کہا تھا کہ ''اب بھی دلکش ہے ترا حسن مگر کیا کیجئے''۔ حقیقت شناسی کی منزل کو پالینا ہر کہ ومہ کی قسمت نہیں۔ یہ اچھے شاعر کی علامت ہے کہ وہ اپنی محبت کو پھیلا کر انسانیت پر محیط کر دیتا ہے۔ محبت کا یہی دائرہ وسعتوں کو چھوتا اور سوچ میں رفعت لاتا ہے۔ میں کاشف رفیق جیسے شاعروں سے یہی توقع رکھتا ہوں کہ وہ غالب کے اس شعر کو حرزِ جاں کریں جس میں کثرتِ نظارہ کو وسعت کا باعث بتایا گیا۔

حسد سے دل اگر افسردہ ہے' گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

وہ تو ویسے بھی اس آزاد جنتِ ارضی کی کھلی فضاؤں میں رہتا ہے جس کے مقبوضہ علاقے کو بھارت نے جہنم بنا رکھا ہے۔ وہ براہِ راست اس تاریخی قضیے سے متاثر ہے۔ اس کی نعت کا ایک شعر بھی دیکھتے جائیے:

شمعِ عشقِ نبیؐ کریں روشن
اور پھر اس کا فیض عام کریں

گویا وہ اپنی بنیاد اور اساس سے جڑا ہوا شاعر ہے۔ وہ اپنی پہچان اور شناخت سے بھی آگاہ ہے۔ اُس کی ایک نظم ''تاریخِ جموں وکشمیر کے تناظر میں'' کی ہلکی سی جھلک سے اس کے اندر کے کرب کا آپ اندازہ لگا سکتے ہیں:

حالات وواقعات پہ اپنی نظر نہ تھی
ہم بک رہے تھے اور ہمیں کچھ خبر نہ تھی
اُلجھا کے رکھ دیا ہمیں رہبر کی چال نے
ورنہ ہماری راہ کٹھن اِس قدر نہ تھی

بہر حال وہ انسان اور انسانی رشتوں سے پیار کرنے والا شاعر ہے۔ اُس نے اپنے بیٹے کے لیے بھی ایک نظم اس میں شامل کی ہے۔

میرا خیال ہے میں نہ لکھتے لکھتے بھی بہت کچھ لکھ گیا ہوں۔ یہ تنقیدی مضمون تو ہرگز نہیں اس لیے کہ میں نقاد نہیں۔ کاشف سے میرا رشتہ بھائیوں جیسا ہے۔ وہ برسوں سے مجھے ملنے لاہور آتا ہے اور وہ آ کر میرے سامنے ایک تصویر کی صورت بیٹھ جاتا ہے۔ اللہ اسے خوش رکھے۔ آمین

سعداللہ شاہ

뎘

اللہ

اے مرے رب! مری آرزو ہے یہی
ابتدا ہو مری ہر کتابِ سخن کی ترے نام سے

اطاعت

میرا خالق ہے تُو ، میرا مالک ہے تُو
تُو ہی حاجت روا ، تُو ہی مشکل کشا
تیری وحدت پہ کامل یقیں ہے مجھے
میرے دل میں ترے عشق کا نور ہے
پھر بھی سرکش ہوں، تیرا گنہگار ہوں
میرے جذبوں میں شاید وہ شدّت نہیں
اے غفورُ الرّحیم، اے کریم و علیم!
میرے جذبوں کو کر اتنی شدّت عطا
تیری ناراضی ہی کا مجھے خوف ہو
ہر گھڑی مَیں تری ہی اطاعت کروں

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

آپؐ کا ذکر صبح و شام کریں
زندگانی کو شاد کام کریں

شمعِ عشقِ نبیؐ کریں روشن
اور پھر اس کا فیض عام کریں

آرزو ہے مدینہ جائیں ہم
عمر بھر پھر وہیں قیام کریں

뎴

کامرانی کا راستہ ہے یہی
آپؐ کی پیروی مدام کریں

یہ تقاضائے عشق ہے کاشفؔ
ہر نفس مصطفیٰؐ کے نام کریں

تاریخِ جموں و کشمیر کے تناظر میں

حالات و واقعات پہ اپنی نظر نہ تھی
ہم بِک رہے تھے اور ہمیں کچھ خبر نہ تھی

جیتے تھے آن سے کبھی اپنے چمن میں ہم
ہستی ہماری دہر میں یوں در بدر نہ تھی

کیا دور تھا کہ ہم بھی تھے آزاد و خودنگر
تب اپنی زیست غیر کے زیرِ اثر نہ تھی

مصنوعی روشنی سے سبھی کھا گئے فریب
سمجھے تھے لوگ جس کو سحر وہ سحر نہ تھی

اُلجھا کے رکھ دیا ہمیں رہبر کی چال نے
ورنہ ہماری راہ کٹھن اِس قدر نہ تھی

حیران ہوں وہ لوگ بھی تھے رہزنوں کے ساتھ
کاشف جنھیں کبھی ہوسِ سیم و زر نہ تھی

احساس اب ہوا مجھے زندہ نہیں ہوں میں
جیسا سمجھ رہا تھا میں ویسا نہیں ہوں میں

میری سماعتوں پہ لگے ہیں وہ قفل، اب
آواز اپنے دل کی بھی سنتا نہیں ہوں میں

ٹوٹی ہیں میری روح پہ کتنی قیامتیں
پھر بھی حصارِ جسم سے نکلا نہیں ہوں میں

منزل اگرچہ دُور ہے، لیکن نظر میں ہے
صد شکر سیدھی راہ سے بھٹکا نہیں ہوں میں

کاشفؔ جو دیکھتا تھا میں سپنے تمام رات
اک رات بھی تو چین سے سویا نہیں ہوں میں

دشتِ عمر

پار کرنا ہے مجھ کو دشتِ عمر
میری منزل ’عدم‘ ہے اس کے پار
آگے کتنا طویل رستہ ہے!
اور کتنا کٹھن!! نہیں معلوم
شوقِ منزل مجھے نہ ذوقِ سفر
ہم سفر ہے نہ ہے کوئی رہبر
اور ہر گام پر سراب کوئی
ہے مری تشنگی بڑھانے کو

چل رہا ہوں میں بے دلی کے ساتھ

یہ سفر مجھ پہ ہے گراں، لیکن

میں اِسے ترک کر نہیں سکتا

میں تو پل بھر ٹھہر نہیں سکتا

یہ مقدر ہے یا کہ مجبوری

چلتے رہنا ہے مجھ کو ہر صورت

뎘

ایک شعر

حق ہے اُس کا مری محبت پر
جس نے تھاما ہوا ہے میرا ہاتھ

ایک شعر

جس کی قسمت میں منزل ہو اُس کے لیے
راستہ خود بخود بنتا جاتا ہے دوست!

اینزائٹی

(ANXIETY)

تیز، بے ترتیب دھڑکن اور نفس پھولا ہوا
زرد چہرہ اور پسینے سے بدن بھیگا ہوا
جسم کے ہر انگ میں جیسے چبھے ہوں خار سے
جس طرح اعصاب میں ہر دم رواں ہوں بجلیاں
لمحہ لمحہ بے قراری ، بے یقینی ، وسوسے
اے مری جاں! جب نہیں ہوتی تُو میرے سامنے
تو مسلسل ایسی کیفیّت ہی میں رہتا ہوں میں

뎘

تم کو دیکھا تو......

کس کی خوشبو تھی میرے چاروں اور
کون محسوس ہو رہا تھا مجھے
خواب کس کا تھا میری آنکھوں میں
دل دھڑکتا تھا میرا کس کے لیے
کس کا برسوں سے منتظر تھا میں
تم کو دیکھا تو یہ کُھلا مجھ پر

خوابوں کی طرح گویا بکھر جائیں گے ہم بھی
چپ چاپ کسی روز گزر جائیں گے ہم بھی

ہم جیسے کئی لوگ چلے جاتے ہیں ہر روز
کیا ہوگا ! کسی روز جو مر جائیں گے ہم بھی

ہم لوگ نہیں کچھ بھی مگر لوحِ زماں پر
اک نقش کوئی اپنا سا دھر جائیں گے ہم بھی

اوڑھے ہوئے ہیں روح پہ ہم داغوں بھری خاک
جب اُترے گی یہ خاک نکھر جائیں گے ہم بھی

اک آئنہ ایسا کہ جو باطن بھی دکھا دے
آئے گا مقابل تو سنور جائیں گے ہم بھی

رہنا ہے کسے خواب سی دنیا میں ہمیشہ
کاشفؔ کسی دن لوٹ کے گھر جائیں گے ہم بھی

آیا تھا اپنی زیست میں اک ایسا باب بھی
تھا خواب اپنے سامنے، تعبیرِ خواب بھی

آنے سے اُس کے پھیل گئی چار سُو مہک
جیسے کہ کھِل گئے ہوں سمن اور گلاب بھی

میں کیا بتاؤں کتنا حسیں لگ رہا تھا وہ
حیرت سے تک رہا تھا اُسے ماہتاب بھی

سُن کر مرا سوال اُسے چپ سی لگ گئی
مجھ کو ہی سوچنا پڑا اُس کا جواب بھی

کس طرح بھول جاؤں میں اُس کو جو میرے پاس
خوشبو بھی اپنی چھوڑ گیا اور کتاب بھی

کاشفؔ رسائی اُس تلک آسان ہے کہاں
کوہِ گراں ہے راہ میں اور پھر چناب بھی

مرا ہر خواب سچّا تھا

زمانہ مجھ پہ ہنستا تھا
کسی نے کب یہ مانا تھا
''مرا ہر خواب سچّا ہے''

مگر اب یوں
ترا آنا، مجھے ملنا، مجھے پڑھنا،
مسلسل غور سے سننا مری بے ربط سی باتیں،
پھر اس کے بعد خوش ہو کر
بتانا رازِ دل اپنا،

دُکھ اپنے بانٹنا مجھ سے،
بنانا ہم سفر مجھ کو،
کٹھن رستے پہ جیون کے
بڑھانا حوصلہ میرا،
کبھی جو میں بھٹک جاؤں
دکھانا راستہ مجھ کو......

مرا ہر خواب سچّا تھا
مرا ہر خواب سچّا تھا

میری آنکھ کا تارا

(اپنے بیٹے مطہر کاشف کے لیے نظم)

میری آنکھ کا تارا میرا بیٹا ہے
مجھ کو سب سے پیارا میرا بیٹا ہے

سب کے دل پر راج ہے میرے بیٹے کا
گھر میں سب کا دُلارا میرا بیٹا ہے

مجھ کو بے پروا دُنیا کی کیا پروا!
میرے لیے جگ سارا میرا بیٹا ہے

اُس کی محبت رختِ جاں ہے میرے 뎳 لیے
یعنی میرا سہارا میرا بیٹا ہے

کاشفؔ یہ بے مہر زمانہ کیا جانے
مجھ کو کتنا پیارا میرا بیٹا ہے

خود سے اتنی بھی عداوت تو نہیں کر سکتا
اب کوئی مجھ سے محبت تو نہیں کر سکتا

کیوں نبھائے گا وہ پیمانِ وفا مجھ سے، کہ وہ
ساری دنیا سے بغاوت تو نہیں کر سکتا

گو وہ مجرم ہے مرا، پھر بھی کسی شخص سے میں
اپنے دلبر کی شکایت تو نہیں کر سکتا

دو گھڑی سانس تو لینے دے مجھے اے غمِ دہر
کوئی ہر آن مشقّت تو نہیں کر سکتا

خاص ہوتا ہے کسی کا کوئی منظورِ نظر
کوئی ہر اک پہ عنایت تو نہیں کر سکتا

کیسے لکھّوں میں اندھیرے کو اُجالا کاشفؔ
اپنے فن سے میں خیانت تو نہیں کر سکتا

بے لوث، بے غرض کوئی چاہت نہ تھی مجھے
اپنے سوا کسی سے محبت نہ تھی مجھے

میں دشت دشت پھر کے بھی مجنوں نہ بن سکا
وحشت تھی، لیکن اتنی بھی وحشت نہ تھی مجھے

کیا یہ ستم نہیں ہے کہ جیتا رہا ہوں میں
ہر چند زندگی کی ضرورت نہ تھی مجھے

کھُلنی تھی خاک مجھ پہ حقیقت جہان کی
خواب و خیالِ حُسن سے فرصت نہ تھی مجھے

ہونی تھی میری ذات کی اصلاح کس طرح
اپنی کسی خطا پہ ندامت نہ تھی مجھے

موروثی مرض

عجب قانونِ قدرت ہے
کہ جو ایذا
مری قسمت میں لکھّی تھی
مری اولاد کا بھی وہ مقدر ہے

ایک شعر

جب زمیں لرزنے سے میرا شہر اُجڑا تھا
میری بدنصیبی پر آسماں بھی رویا تھا

اک شعر اَن کہا کوئی کیسے سمجھ سکے
اک باب اَن کُھلا کوئی کیسے سمجھ سکے

دیکھا ہے کب کسی نے مرے دل کی آنکھ سے
جو مجھ پہ وا ہوا کوئی کیسے سمجھ سکے

گم ہوں میں اپنی ذات کے اندر کسی جگہ
کیا حال ہے مرا کوئی کیسے سمجھ سکے

덼

کس پر عیاں ہے شومیٔ تقدیر کا سبب
کیوں مجھ کو غم ملا کوئی کیسے سمجھ سکے

پہنچی ہے کس کی سوچ مری سوچ تک ابھی
میں کہہ رہا ہوں کیا کوئی کیسے سمجھ سکے

뎴

کچھ بھی کر لیجیے وہ وضع بدلنے کے نہیں
یعنی ہم کرب و اذیت سے نکلنے کے نہیں

ہاں! کبھی سوزِ دروں اُن کو گھلا دے شاید
ورنہ نالوں سے ہمارے وہ پگھلنے کے نہیں

ہم بھلے کوچۂ ویراں میں اکیلے بھٹکیں
اس زمانے کی روش پر کبھی چلنے کے نہیں

آئنہ ہے ہمیں جب تک تری خنداں صورت
ہم کسی رنج کی تصویر میں ڈھلنے کے نہیں

صحنِ دل میں جو لگائے تھے تمنّا کے شجر
ایسا لگتا ہے وہ اِمسال بھی پھلنے کے نہیں

ہو چکے خاک جو جل کر وہ پتنگے اے شمع!
دوسری بار ترے شعلے سے جلنے کے نہیں

جب تلک منزلِ اُلفت پہ نظر ہے کاشفؔ
پاؤں اپنے کسی ٹیلے سے پھسلنے کے نہیں

جو حقیقت تھی اُسے جھوٹ بناتے کیسے!
ہم بھلا خود سے کوئی بات چھپاتے کیسے!

بار تھا دل پہ کئی ٹوٹے ہوئے خوابوں کا
اپنی آنکھوں میں نیا خواب سجاتے کیسے!

سرِ تسلیم کیا خم، کہ ہمارا مقسوم
لوحِ محفوظ پہ لکھّا تھا ، مٹاتے کیسے!

زخم اپنے نہ دکھائے کبھی یاروں کو میاں!
جانتے بوجھتے ہم اُن کو رُلاتے کیسے؟

عشق جذبہ ہے دھڑکتے ہوئے دل کا کاشف
ہم یہ جذبہ کسی پتھر میں جگاتے کیسے!

뎘

طبیب کہتے ہیں جز وہم خواب کچھ بھی نہیں
تو کیا جو ہم نے سہے وہ عذاب کچھ بھی نہیں!

ہماری دشت نوردی تمھارے کام آئی
تمھیں یہ کون بتاتا سراب کچھ بھی نہیں

نظیر اُس کی میں کیا دوں کہ سامنے اُس کے
چراغ ، ماہ ، ستارہ ، گلاب کچھ بھی نہیں

تمام عمر کیا میں نے کارِ لاحاصل
کہ مدحِ حُسنِ بُتاں کا ثواب کچھ بھی نہیں

کوئی لطیف سی شے ہو تو ہم پیئیں ساقی!
ہم اہلِ دل کی نظر میں شراب کچھ بھی نہیں

اگر میں جذب نہ کر پاؤں روشنی کا شف
تو ماہ کچھ بھی نہیں، آفتاب کچھ بھی نہیں

رائگانی

آہ! میری بے بسی
شومئ تقدیر سے
لمحہ لمحہ عمر کا
ہو رہا ہے رائگاں
گرچہ ہے احساس بھی
رائگانی کا مجھے

حُسنِ اتفاق

اُس کا میرے سامنے
آ کے ایسے بیٹھنا
حُسنِ اتفاق ہے
یا یہ میرا خواب ہے

دل پر ہے اختیار نہ قسمت پہ اختیار
کوئی بتائے کیسے مجھے آئے گا قرار

پھٹنے کو ہے دماغ کہ اک رنج کے سبب
بڑھتا ہی جا رہا ہے مرے خون کا فشار

وابستہ ہے تجھی سے مرے دل کی یہ خلش
کیسے بتاؤں تجھ کو میں اے میرے غم گسار

کاشفؔ وصالِ یار کی اُمیّد چھوڑ دے
ورنہ ترا نصیب ہے تا حشر انتظار

ایک شعر

کارِ فرہاد ہے در پیش مجھے
رسمِ اُلفت ہے نبھانی مجھ کو

کیسی بے وجہ اذیّت میں گرفتار ہیں ہم
دل میں یہ وہم بسا ہے کہ گنہگار ہیں ہم

قدر کرتے ہیں ہماری تو فقط اہلِ نظر
ورنہ دنیا یہ سمجھتی ہے کہ بے کار ہیں ہم

ہم خطاؤں پہ خطا کرتے چلے جاتے ہیں
اور سمجھتے ہیں کہ بخشش کے سزاوار ہیں ہم

ایسے باندھا ہے زمانے کی کشش نے ہم کو
یہ ہمارا نہیں ، پر اِس کے طرف دار ہیں ہم

جانے کیوں رہتی ہے بے چینی مسلسل کاشفؔ
نہیں معلوم کہ کس شے کے طلب گار ہیں ہم

بس اک وہی حسیں ہے، نہیں اِس میں کوئی شک
اُس سا کوئی نہیں ہے، نہیں اِس میں کوئی شک

آنکھیں ہیں اُس کی جھیل سی ، رخسار مثلِ ماہ
اور زلف عنبریں ہے، نہیں اِس میں کوئی شک

کیوں کر نہ اُس کے ناز اُٹھایا کرے کوئی
وہ ہی تو نازنیں ہے، نہیں اِس میں کوئی شک

اب تک سما سکا نہیں دل میں کوئی ، مگر
وہ شکل دل نشیں ہے، نہیں اِس میں کوئی شک

کاشفؔ بھٹک رہا ہوں میں خوابوں کے شہر میں
وہ شخص بھی یہیں ہے، نہیں اِس میں کوئی شک

جو دامانِ خیالِ یار میرے دل سے چُھوٹا تھا
تو وحشت ناک اک منظر میں، میں نے خود کو پایا تھا

مرا مولا بچا لیتا تھا مجھ کو ہر مصیبت میں
مگر اِس بار تو اِس آگ میں، میں خود ہی کودا تھا

بھلا اُس تحفے سے خوشبو محبت کی کہاں آتی
نگاہِ دل میں وہ گُل تو فقط کاغذ کا ٹکڑا تھا

خبر کیا تھی بھیانک اِس قدر تعبیر ہے اس کی
مجھے تو میرے اپنوں نے حسیں سپنا دکھایا تھا

بہت چارہ کیا میں نے کہ مجھ کو ہوش آ جائے
مگر نشّہ محبت کا کہاں دل سے اُترنا تھا

خوب تھی وہ گھڑی کہ جب دونوں تھے اک حصار میں
میں تھا ترے خمار میں، تُو تھا مرے خمار میں

نور سے میرے عشق کے نکھرے تھے اُس کے خدّ و خال
رنگ تھا میرے خواب کا عکسِ جمالِ یار میں

گو تھی کشش ہمارے بیچ، بارے بہم نہ ہو سکے
میں تھا الگ مدار میں، وہ تھا الگ مدار میں

خواہشِ وصلِ یار تو پوری نہ ہو سکی ، مگر
دشتِ حیات کٹ گیا وحشتِ انتظار میں

مرضی سے کب ہوا کوئی عشقِ بُتاں میں مبتلا
کون یہ روگ پالتا ، ہوتا جو اختیار میں

نغمے خوشی کے کس طرح گائے وہ بلبلِ نزار
جس کا چمن اجڑ گیا یارو بھری بہار میں

وہ ریگِ دشت میں کھِلتے ہوئے گلاب سا تھا
مرا خیال تھا وہ شخص، میرے خواب سا تھا

کوئی بتائے میں اُس کا جواب کیا دیتا
سوال ہی جو مرے واسطے جواب سا تھا

مرا نصیب کہ پیاسا مجھے وہ چھوڑ گیا
سرشت میں جو برستے ہوئے سحاب سا تھا

خوشا کہ اب کسی مہ رو کے دم سے ہے آباد
مکانِ دل جو کبھی خانۂ خراب سا تھا

뎴

کُھلا یہ مجھ پہ جہانِ دگر میں اے کاشفؔ
محیطِ وقت میں میرا نشاں حباب سا تھا

تجھ سے بڑھ کر زندگی میں میں نے کچھ کھویا نہ تھا
یعنی اس سے پیشتر میں ٹوٹ کر رویا نہ تھا

آزمائش میں اِسے سمجھوں کہ قسمت کا ستم
”کاٹنا‘ وہ پڑ رہا ہے میں نے جو بویا نہ تھا“

بے تعلق ہو گیا تھا سب سے میں کچھ اِس طرح
سامنے میری نظر کے جو بھی تھا گویا نہ تھا

اپنی بے پروائی تھی باعث مری رسوائی کا
داغِ دل ممکن تھا دھونا، میں نے پر دھویا نہ تھا

اب کُھلا، وہ خواب تھے جن کے سبب کاشفؔ مجھے
رات بھر سو کر بھی لگتا تھا کہ میں سویا نہ تھا

دو شعر

اک اک کر کے مجھ سے ناتا توڑ گئے
آخر اپنے مجھ کو تنہا چھوڑ گئے
میری دعا ہے مولا اُن کو خوش رکھے
آخرکار جو مجھ کو مجھ سے جوڑ گئے

ناتے

چھوٹی چھوٹی باتوں پر
گر یہ ناتے ٹوٹے ، تو
بات بڑھے گی نفرت تک
اور پہنچے گی عداوت تک

اشک آنکھوں میں ندامت کے دکھانے کے لیے
زعم تھا ہم کو وہ آئیں گے منانے کے لیے

یاد کرتے نہیں ہم اہلِ ستم کی باتیں
ہم میں طاقت ہی کہاں رنج اُٹھانے کے لیے

اپنے کچھ خواب ہیں جو ہم نے سلا رکھّے ہیں
جاگ جائیں نہ کہیں درد جگانے کے لیے

اِن میں دانائی کی باتیں ہیں اگر غور کریں
اپنے اشعار نہیں رونے رُلانے کے لیے

زیست اپنی ہے الم ناک کہانی کاشفؔ
پر نہیں ہے یہ زمانے کو سنانے کے لیے

حیران مجھ کو کر گئی اپنوں کی بے رُخی
میرے گماں میں بھی نہ تھی اِس درجہ بے حسی

پھر جیسے خود ہی درد کو آرام آ گیا
جب ہم نے زخم بھرنے کی اُمیّد چھوڑ دی

بس اِس لیے سکون سے ہم جی نہیں سکے
آسودگی کی چاہ تھی دل میں بسی ہوئی

انجام سب کا موت ہے کاشفؔ، جہان میں
کیسی بھی ہو کمال کسی کی یہ زندگی

ضد

گر چہ جانتا ہوں میں
نقطۂ نظر اُس کا
ٹھیک ہے، مگر پھر بھی
عادتاً ہمیشہ میں
اُس کی ساری باتوں سے
اختلاف کرتا ہوں

دل میں کوئی ملال رہے گا تمام عمر
اس کا ہمیں خیال رہے گا تمام عمر

تسلیم گرچہ کر لیا ہم نے جوابِ یار
دل میں مگر سوال رہے گا تمام عمر

ماضی میں ڈھلتا جائے ہے گو وقت ہر گھڑی
پر اپنے ساتھ حال رہے گا تمام عمر

ایسا خدا نے اُس کو بنایا ہے میرے دوست!

뎴

وہ پیکرِ جمال رہے گا تمام عمر

کاشفؔ شکستہ آئنہ جڑ جائے بھی اگر

اُس آئنے میں بال رہے گا تمام عمر

محبت کچھ نہیں لوگو!

محبت کچھ نہیں لوگو!
محبت کچھ نہیں لوگو!
محبت صرف فلموں، ناولوں اور شاعری میں ہے
حیاتِ تلخ میں اِس کی حقیقت کچھ نہیں لوگو!

뎴

بے معنی وجود

کیوں محبت نہیں کسی سے مجھے!
کیوں کسی کو نہیں مری چاہت!
کیوں تعلق نہیں کسی سے مرا!
کیوں ہے میرا وجود بے معنی!

ایک سپنا سا مجھے لگتی ہے صورت اُس کی
کاش آ جائے میسر مجھے قربت اُس کی

کر رہا ہوں یہ ریاضت میں اُسی کی خاطر
کچھ نہ کچھ مجھ کو بنا دے گی محبت اُس کی

اُس نے اِس طرح کبھی سوچا نہیں تھا، ورنہ
خواب میرا ابھی تو بن سکتی تھی چاہت اُس کی

ہاں! کسی طور منا لیتا اُسے میں، لیکن
گھر کے حالات اگر دیتے اجازت اُس کی

جس کا معیار زمانے سے الگ ہے کاشفؔ
کوئی سمجھے گا بھلا کیسے ضرورت اُس کی

اب کیوں کسی کے ساتھ کا احسان لیں گے ہم
تنہا تھے کل بھی ، آج بھی تنہا رہیں گے ہم

برپا کیے رہیں گے خیالوں کی انجمن
اور دھڑکنوں کے ساز پہ جھوما کریں گے ہم

بزمِ سرودِ غیر سے اب ہو کے بے نیاز
جو روح گا رہی ہے وہ نغمہ سنیں گے ہم

آخر کو لوٹ جائیں گے ہم اِس جہان سے
اک اجنبی دیار میں کب تک بسیں گے ہم

کب تک نہ ہم کریں گے بغاوت کا حوصلہ
کب تک ستم زمانے کے سہتے رہیں گے ہم

اک رنجِ نارسائی تھا آخر کو مر گیا
اک زخمِ التفات تھا آخر کو بھر گیا

کچھ بھی نہ میں نے چارہ کیا اس جنون کا
عشقِ جمالِ یار کا نشّہ اُتر گیا

جس نے سنبھال رکھّے تھے میرے دل و دماغ
اک خواب تھا جمال کا وہ بھی بکھر گیا

اِس درجہ تھا دباؤ مرے ذہن پر طبیب!
میں کاروبارِ عقل سے یکسر گزر گیا

دیکھا جو میں نے آئنہ اپنے ضمیر کا
کاشفؔ میں اپنی روح کی صورت سے ڈر گیا

سب کچھ ملا ہے مجھ کو، محبت نہیں ملی
جس چیز کی مجھے تھی ضرورت، نہیں ملی

اُس ماہ وش کو پیکرِ سیمیں ملا، مگر
احساس و فکر و درد کی دولت نہیں ملی

ملنا وہ چاہتا تھا کہاں مجھ غریب سے
یہ جھوٹ ہے کہ اُس کو فراغت نہیں ملی

شوقِ وصالِ یار میں پھرتا ہوں میں یہاں
ورنہ کسی کو دشت میں راحت نہیں ملی

اب آرزو ہے موت میں مشکل نہ ہو کوئی
جینے کے واسطے تو سہولت نہیں ملی

نادار اُس سے بڑھ کے بھلا کون ہے یہاں
کاشفؔ جسے سکون کی نعمت نہیں ملی

فرار

اک طرف وحشتِ دل بار مجھے
دوسری سمت زمانے کے ستم
اور احساس کہ تُو میرا نہیں

کیسے سہہ پاؤں یہ سب کچھ اے دوست!

چھوڑ دے دل ہی دھڑکنا اے کاش!
سانس تھم جائے تو زندہ نہ رہوں

عذاب

اُس کی آنکھوں میں بھی تھا خواب کوئی
میری آنکھوں میں بھی تھا خواب کوئی
یعنی دونوں پہ تھا عذاب کوئی

یک جا ہوئے تھے ہم کبھی تصویرِ خواب میں
گویا تھا عکسِ خواب ہی تعبیرِ خواب میں

سوئے دیارِ فکر کبھی ہم نہ جا سکے
اُلجھی ہوئی حیات تھی زنجیرِ خواب میں

یہ اور بات وہ ہمیں معلوم ہو نہ ہو
تعبیر کچھ ضرور ہے تقدیرِ خواب میں

کاشفؔ جو خواب دیکھ کے میں نے غزل کہی
اس نے اضافہ کر دیا تاثیرِ خواب میں

ایک شعر

اُس نے مجھ سے باتیں کی تھیں
کیسے میں وہ باتیں بھولوں

뎴

ہم کو ملنی ہی تھی سزا آخر
تھا خطاؤں کا کچھ صلہ آخر

اک دیا تھا تری محبت کا
جلتے بجھتے جو بجھ گیا آخر

بوجھ سینے میں بڑھ گیا تھا بہت
درد اشکوں میں پھر ڈھلا آخر

덼

کیسے اپنے مزاج مل پاتے
ہم رہے تھے جدا جدا آخر

چھوڑنا ہے تو چھوڑ جاؤ ہمیں
ہم ہی ٹھہریں گے بے وفا آخر

روح پر بار نہیں تھے پہلے
خواب آزار نہیں تھے پہلے

شدّتِ درد کا احساس ہے اب
زخم بیدار نہیں تھے پہلے

تیر دشمن کے کماں تک تھے فقط
دل کے اِس پار نہیں تھے پہلے

جس طرح خوار محبت نے کیا
ایسے ہم خوار نہیں تھے پہلے

عہدِ غربت نے ہمیں مار دیا
ہم کہ بے کار نہیں تھے پہلے

وقت کا اعتبار کر لیتے
ہم ترا انتظار کر لیتے

کیا تھا گر بے قرار دل کو ہم
اور بھی بے قرار کر لیتے

اپنے بس میں نہیں تھا یہ، ورنہ
ہم خزاں کو بہار کر لیتے

ہاں! فراغت سے تو یہ بہتر تھا
ہم ستارے شمار کر لیتے

حق ہمارا بھی ہم پہ تھا کاشفؔ
خود سے تھوڑا سا پیار کر لیتے

뎴

ایک شعر

مقابل ہو اگر دولت
محبت ہار جاتی ہے

حوصلہ

جس مصیبت میں ہوں میں گھرا
اُس سے باہر نکلنے کا اب
خودکشی کے سوا کوئی رستہ نہیں

پر مرا عزم ہے
میں جیوں گا، نہ جب تک مجھے لے چلے گی قضا

اب کے شبِ ہجراں کی اذیّت ہے زیادہ
اب کے مرے احساس میں شدّت ہے زیادہ

کیوں لکھّی ہے قسمت میں مری اُس سے جدائی
جس شخص سے بھی مجھ کو محبت ہے زیادہ

خوش بختی ہے تیری کہ بنی وہ ترا مسکن
جس ارض پہ مولا کی عنایت ہے زیادہ

شیریں ہے زباں اپنی جگہ لاکھ کسی کی
تیرے لب و لہجے میں حلاوت ہے زیادہ

گو جان سے پیارے مجھے ہمشیر سبھی ہیں
سلمانؔ سے کاشفؔ مجھے اُلفت ہے زیادہ

مرے بس میں نہیں کچھ بھی

مرے بس میں کہاں تھا یہ:
تمھارا خواب دیکھوں میں
مری بستی میں تم آؤ
تمھیں میں اِس قدر چاہوں

مرے بس میں کہاں ہے یہ:
تمھارے دل میں چاہت کا

کوئی جذبہ جگادوں میں
تمھیں اپنا بنالوں میں

مرے بس میں نہیں یہ بھی
کہ تم کو بھول جاؤں میں،
محبت ترک ہی کردوں

مرے بس میں نہیں کچھ بھی

뎴

چھوڑ جائیں گے دیارِ دنیا
توڑ جائیں گے حصارِ دنیا

باغِ جنت کی ہوس کیوں نہ کریں
عارضی جب ہے بہارِ دنیا

جیسا دیکھیں اِسے ویسی ہے یہ
ہم نے دیکھی ہے نگارِ دنیا

اُس کو دنیا کی خبر کچھ بھی نہیں
جس پہ چھایا ہے خمارِ دنیا

بار اپنا ہی نہیں کم ہوتا
کیا اُٹھائے کوئی بارِ دنیا

کیوں سمجھتے نہیں کاشفؔ یہ لوگ
علم و فن سے ہے وقارِ دنیا

غبارِ دل ہے شاعری
قرارِ دل ہے شاعری

برائے چشمِ عاشقاں
نگارِ دل ہے شاعری

اک ایک حرف معتبر
وقارِ دل ہے شاعری

뎘

تخیّلات مے فشاں
خمارِ دل ہے شاعری

خیالِ لالہ و سمن
بہارِ دل ہے شاعری

کہ خاک دانِ قلب میں
شرارِ دل ہے شاعری

تُو مجھ سے چاہتا ہے کیا؟

زمانے! مجھ سے اور چاہتا ہے کیا؟
تری روش پہ چل کے میں نے
زندگی کے چار قیمتی برس گنوا دیئے
تری رضا پہ میں نے اپنے خواب تک لُٹا دیئے
مگر تُو پھر بھی مجھ سے مطمئن نہیں
زمانے! اتنا تو بتا
تُو مجھ سے چاہتا ہے کیا؟

تعجب

ہے تعجب مجھے
باوجود اس قدر شدتِ رنج کے
ہیں سلامت مرے ذہن و دل

ایک شعر

بُرا تھا یا وہ اچھّا تھا
مرا ہر خواب سچّا تھا